اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر:15)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

شان خداوندی:۔

اللہ رب العزت اس کائنات کے خالق ہیں، اس کائنات کے مالک ہیں۔ وہ اپنے مرتبے اور اپنی شان میں بہت بڑے ہیں۔ ہم اپنے ذہنوں میں اللہ رب العزت کی جتنی بڑائی سوچ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ بڑے ہیں۔ ہماری عبادتیں، ہماری تعریفیں اور ہماری تسبیحات، یہ سب چیزیں اس کی شان کے پردوں سے نیچے رہ جاتی ہیں، اس کی شان اس سے بھی زیادہ ہے۔

آج کے اس ماحول میں دلوں میں عظمتِ الٰہی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اکثر و بیشتر گناہوں کی وجہ یہ ہے کہ دل میں اللہ رب العزت کی اور اس کے حکموں کی وہ عظمت نہیں ہوتی جو ہونی چاہیے تھی۔ اس وجہ سے انسان غفلت کی زندگی گزارتا ہے۔ اگر پتہ چل جائے کہ پروردگار عالم کتنے بڑے ہیں تو اس کی ہیبت دلوں میں بیٹھ جائے۔ اگر اس کی شان ذہن کے اندر جم جائے تو پھر انسان اس کی معصیت کے تصور سے بھی گھبراتا ہے۔ یہ سوچتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ میں اللہ رب العزت کا حکم توڑ رہا ہوں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر:15)

''اے انسانو! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ رب العزت غنی اور حمید ہے''

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (فاطر:16)

''اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق کو پیدا کر دے۔''

وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (فاطر:17)

''اور یہ کام اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔''

اس آیت میں اللہ رب العزت کی عظمت سامنے آتی ہے۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اس آیت کی روشنی میں اپنی اوقات پہچانیں اور اللہ رب العزت کی شان کو پہچانیں۔جب اللہ رب العزت کی شان اور عظمت دلوں میں بیٹھ جائے تو پھر انسان حکم الٰہی کو عظیم سمجھے گا اور اس کو توڑتے ہوئے دل گھبرائے گا اور انسان سوچے گا کہ میں کتنے عظیم پروردگار کی نافرمانی کر رہا ہوں۔پھر اسے اللہ رب العزت کی عبادت میں بھی مزہ آئے گا۔

میرے لیے یہی فخر کافی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! میرے لیے یہی عزت کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میرے لیے یہی فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔''

اس لیے کہ ان کے دل میں اللہ رب العزت کی عظمت اتر چکی تھی۔چنانچہ ان کو بندگی میں مزا آتا تھا۔

عبادت کس کا حق ہے؟

یاد رکھیں! عبادت اللہ کا حق ہے۔کسی حال میں بھی غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔یہ حق مخصوص ہے اللہ کے ساتھ۔سچی بات یہی ہے کہ انسان

اللہ رب العزت کی عظمت کو مانے

اس کے سامنے تذلل کو قبول کرے

جسم کی سب سے معزز جگہ، پیشانی کو اس کے سامنے زمین پر ٹکائے

اس کے سامنے سجدے میں اپنی ناک رگڑے

جب یہ اللہ کے سامنے اس طرح بچھ جاتا ہے، تب اللہ رب العزت اسے اپنا قرب عطا فرما دیتے ہیں۔اس لیے قرآن مجید میں فرمایا:

وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ (العلق:19)

یہاں سجدے کے بعد قرب کا تذکرہ ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جب انسان سجدے کی حالت میں اس طرح اپنے آپ کو پامال کرے گا اور مٹائے گا، تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنا قرب بھی عطا فرمائے گا۔

فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ پر گھاس ہو تو آدمی کو چاہیے کہ سجدے میں جاتے ہوئے اپنے سر کو دبائے کہ نیچے سے زمین کی سختی محسوس ہونے لگ جائے۔ اگر وہ گھاس کے اوپر اوپر سجدہ کرے گا تو سجدہ نہیں ہوگا۔ایسی جگہ پر سر کو نیچے دبانا لازم ہے۔اس میں حکمت یہ ہے کہ اس بندے نے اپنے آپ کو اتنا جھکایا جتنا یہ جھکا سکتا تھا، اب اس سجدے کی وجہ سے پروردگار نے اس کو اتنا اٹھایا جتنا وہ اٹھا سکتا تھا۔اس لیے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ

''نماز مومن کی معراج ہے۔''

ہم اللہ رب العزت کے سامنے جھکنا سیکھیں اور اس کی عظمت دل میں پیدا کریں۔

محبّت کی معراج:

جب ہم کلمہ پڑھتے ہیں۔لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، تو اس میں ہم اقرار کرتے ہیں کہ ''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے''۔ہم اللہ کے سامنے یہ کتنی بڑی بات کہہ دیتے ہیں،لیکن سمجھ ہی نہیں ہوتی۔اس بات کو ذرا تفصیل سے سن لیجیے۔

☆جب کسی کے ساتھ تعلّق کی ابتدا ہوتی ہے تو اس کی ابتدائی کیفیت کو''رغبت'' کہتے ہیں۔جسے کہتے ہیں کہ طبیعت میں فلاں چیز کی رغبت پیدا ہوئی۔

☆پھر جب یہ رغبت بڑھ جاتی ہے تو اسے ''طلب'' کہتے ہیں۔جیسے کہتے ہیں کہ اس بندے کے دل میں فلاں چیز کی طلب پیدا ہوئی۔

☆پھر جب طلب بہت بڑھ جاتی ہے تو اس کو''محبّت'' کہتے ہیں۔کہتے ہیں نا،جی اس کے دل میں فلاں چیز کی محبّت پیدا ہوگئی ہے۔

☆پھر جب یہ محبّت بڑھ جاتی ہے اور شدید ہو جاتی ہے تو اس کو''عبادت'' کہتے ہیں۔

اس عاجز نے چند نوجوانوں سے پوچھا: بتاؤ!انسان اپنے محبوب کو سب سے زیادہ قیمتی چیز کیا پیش کر سکتا ہے؟یعنی محبّت کی معراج کیا ہے؟

ایک نے کہا: اپنا سب مال لٹا دے

دوسرے نے کہا: اپنے آپ کو اس کے لیے فارغ کر لے

تیسرے نے کہا: اپنی جان بھی قربان کر دے

وہ جوانوں والے ہی جواب دیتے رہے۔چنانچہ میں نے کہا: بھئی! کوئی بوڑھوں والا جواب بھی دو۔ کہنے لگے: جی! وہ تو پھر آپ ہی دے سکتے ہیں۔چنانچہ پھر میں نے ان کو بات سمجھائی:

''دیکھیے! محبّت کی معراج یہ ہے کہ محبوب کی محبّت دل میں اتنی سما جائے، اتنی سما جائے کہ محبّ اس محبّت میں بے قرار ہو کر اپنی پیشانی محبوب کے قدموں پر رکھ دے۔''

یعنی وہ اپنے محبوب کو اپنا معبود بنا لے، یہی محبّت کی معراج ہے۔

جب ہم نے کہا: لَآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ، تو ہم نے گویا اللّٰہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا: اے اللّٰہ! ہمارے دل میں محبّتوں کی جو معراج ہوگی، جو سب سے اعلیٰ تعلّق ہوگا، اللّٰہ! وہ فقط تیری ذات کے لیے ہوگا۔ ہم نے اپنی محبّتوں اور چاہتوں کو فقط تیری ذات کے لیے مخصوص کر لیا۔ ہم کلمہ پڑھتے وقت یہ عہد کر رہے ہوتے ہیں۔

اللّٰہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایمان والے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ یوں کہتے ہیں:

اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ (التوبہ:59) ''ہم تو اللّٰہ ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر رغبت ہو دل میں تو اللّٰہ کی ہو۔

پھر آگے طلب ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ جو مجھے چھوڑ کر غیر کو چاہتے ہیں وہ

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ (الحج:73)

''طلب کرنے والا بھی اور جس کو طلب کیا جا رہا ہوتا ہے، وہ دونوں بودے اور ضعیف ہیں۔''

یعنی طلب ہو تو کس کی؟ اللّٰہ کی۔

محبّت کا نام آیا تو فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:165) ''اور ایمان والوں کو اللّٰہ سے شدید محبّت ہوتی ہے۔''

پھر عبادت کے بارے میں فرمایا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (المؤمنون:116)

''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔''

اب سوچنا چاہیے کہ جو پروردگار تعلّق کی سب سے کمزور قسم ''رغبت'' کو غیر کے لیے پسند نہیں کرتا، وہ تعلّق کی سب سے اعلیٰ قسم ''عبادت'' کو غیر کے لیے کیسے پسند فرمالے گا؟

اِلٰہ کسے کہتے ہیں؟

اِلٰــہ کہتے ہیں اس ذات کو جس کے بغیر کسی کا کام نہ چلے اور جس کا کام کسی کے بغیر نہ اٹکے۔ یہ شان فقط اللہ رب العزت کی ہے۔ اس کا کوئی کام کسی کی وجہ سے اٹکتا نہیں اور مخلوق کا کام اس کے بغیر چلتا نہیں۔ حتی کہ دنیا میں کوئی پتہ بھی اس کے اذن اور حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ انبیائے کرام بھی بلند شان والے ہیں، مگر اس کے عاجز بندے ہیں۔

منشائے خداوندی کی تکمیل:

یاد رکھیں! چاہت اور مرضی ہر حال میں اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ ذرا غور کیجیے!

سیدنا آدمؑ جنت میں ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہوں۔ لیکن اللہ رب العزت ان کو دنیا میں بھیجنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کو بالآخر دنیا میں اتار دیا گیا۔ تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

سیدنا نوحؑ کے سامنے ان کا بیٹا ہے۔ ان کی چاہت ہے کہ بیٹا بچ جائے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں:

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا (ھود:42) ''اے بیٹا! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔''

لیکن اللہ رب العزت کی مرضی نہیں تھی۔ چنانچہ آنکھوں کے سامنے بیٹا ڈوب گیا۔ تو چاہت کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

سیدنا ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو لٹایا ہوا ہے۔ چاہتے ہیں کہ ان کو ذبح کر دیں۔ چھری بھی تیز کر لی، زور سے چلاتے بھی ہیں، مگر اللہ رب العزت نہیں چاہتے۔ چنانچہ ان کی بجائے ایک دنبہ ذبح ہوتا ہے۔ تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ کی۔

سید الاولین والآخرین نبیؐ ایک مرتبہ ارادہ فرماتے ہیں کہ میں آج کے بعد شہد کا استعمال نہیں کروں گا، کیونکہ زوجہ محترمہ نے بتا دیا تھا کہ مہک محسوس ہوتی ہے۔ تو محبوبِ خدا ﷺ کی چاہت ہے کہ میں شہد کو استعمال نہیں کروں گا۔ لیکن پروردگارِ عالم کی طرف سے فرمان آ گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التحریم: 1)

تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ کی۔

معلوم ہوا کہ یہ شان فقط اللہ رب العزت کی ہے کہ ہر حال میں مرضی اسی کی پوری ہوتی ہے۔ محترم جماعت! جب ہر حال میں مرضی اس کی پوری ہونی ہے تو کیوں نہ ہم اپنی مرضی کو اس کی مرضی میں گم کر دیں اور اس کی مرضی پر خوش ہو جائیں۔

بندگی، ایک غلام سے سیکھی:

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ مجھے تو بندگی ایک غلام نے سکھائی۔ کسی نے پوچھا: حضرت! وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ جب میں اس غلام کو خرید کر لایا تو میں نے اس سے چند باتیں پوچھیں:۔

میں نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟

کہنے لگا: جی! جو آپ پکاریں، وہی میرا نام

میں نے پوچھا: تم یہاں کیا کام کر سکتے ہو؟

کہنے لگا: جی! جو آپ ذمے لگائیں، وہی میرا کام

میں نے پوچھا: تم کیسے کپڑے پہنو گے؟

کہنے لگا: جی! جو آپ پہنائیں گے وہی میرا لباس۔

فرماتے ہیں کہ اس غلام نے مجھے اللہ رب العزت کی بندگی سکھا دی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ میرا غلام ہے اور ہر حال میں میری مرضی پہ راضی ہے، تو مجھے ہر حال میں اپنے پروردگار کی مرضی پہ کیوں راضی نہیں ہونا چاہیے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جو اللہ کی مرضی پہ راضی ہو گیا اس کی زندگی سکھی ہو گئی۔

ایک اشکال کا حیران کن جواب:

ذوالنون مصریؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ وہ ایک مرتبہ اپنے دوستوں کو فرمانے لگے:

''تم کیا سمجھتے ہو اس شخص کے بارے میں جس کی مرضی سے دنیا کا کاروبار چل رہا ہے؟''

جب انہوں نے یہ بات کی تو لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ تو بڑے محتاط بزرگ تھے، ایسا کلام کبھی نہیں کرتے تھے، آج انہوں نے کیسی بات کر دی۔ چنانچہ انہوں نے کہا: حضرت! آپ کے اس کلام میں کچھ گہرائی نظر آتی ہے، مہربانی فرما کر سمجھا دیجیے۔ چنانچہ پھر حضرت نے فرمایا:

''دیکھو! ہر کام اللہ کی مرضی سے چلتا ہے، میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں گم کر دیا ہے، اب گویا ہر کام میری مرضی سے چل رہا ہے۔''

مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ:

آج تو لوگ کہتے کہ ہم تو وہ کریں گے جو ہماری مرضی ہو گی۔ بھئی! جب کلمہ پڑھ لیا تو ہماری مرضی گئی۔ کلمہ پڑھنے سے پہلے اپنی مرضی تھی اور جب کلمہ پڑھ لیا تو اپنی مرضی کی بجائے مولا کی مرضی آ گئی۔

مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

اب اللہ کی مرضی ہر چیز سے زیادہ بلند ہوگئی۔اب ہمیں اس چیز کو دیکھنا ہے کہ ہم اللہ رب العزت کو کیسے راضی کر سکتے ہیں؟

عبادتِ خداوندی کا پیغام:

عبادتِ خداوندی کا پیغام سب انبیائے کرام نے آ کر دیا اور فرمایا:

''لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔''

چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (هود:50)

ایک جگہ پر فرمایا:

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (هود:61)

اور ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ (البقرة:21)

''اے انسانو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی''

پروردگارِ عالم کے شاہانہ کلام کی چند جھلکیاں:

ایک جگہ فرمایا:

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا (الفرقان:54)

اللہ اکبر! کیا ہی شان وشوکت ہے کلام کی!

پڑھتے ہی محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی شہنشاہ خطاب کر رہا ہے۔

اللہ رب العزت نے انبیائے کرام کو دنیا میں بھیجا۔ان میں سے جو رسول بن کر تشریف لائے وہ اپنے سے پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنے کا اختیار لے کر آئے۔وہ اللہ رب العزت کی اتنی مقرب اور مقبول ہستیاں تھیں۔وہ اتنی شان والے تھے کہ اللہ رب العزت نے ان کو خود چنا۔چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه (الانعام:124)

ان کو خود اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا اور بڑے زوردار الفاظ میں قرآن پاک میں فرمایا:

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الانعام:87)

ایسے زوردار الفاظ میں پیغام دیا کہ ہم نے رسولوں کو چنا اور جب بھیجا تو ان کو رہنما بنا کر بھیجا۔

اللہ رب العزت نے نبی علیہ السّلام پر قرآن نازل فرمایا۔اس قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا۔جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا وہ آیت بھی عجیب ہے۔

فرماتے ہیں:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:9)

اب ذرا اس کے ترجمے پر غور کریں۔فرمایا:

اِنَّا ''ہم نے''

نَحْنُ ''ہم نے''

نَزَّلنَا ''ہم نے

وَاِنَّا لَه' لَحٰفِظُوْن (الحجر:9) ''اور ہم نے

یہ عجیب سی بات ہے کہ ایک ہی فقرے میں چار مرتبہ ''ہم نے، ہم نے'' فرمایا۔

یا اللہ! یہ کیا اعجاز ہے کلام کا!

کیا گہرائی ہے اس کلام میں!

شہنشاہِ حقیقی کا شاہانہ انداز دیکھیے کہ قرآن پاک کی حفاظت کا تذکرہ کرنا تھا۔ اتنی ٹھوس بات کی کہ اس سے زیادہ ٹھوس بات کا انسان تصور ہی نہیں کرسکتا ہے۔

اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّالَهٗ لَحٰفِظُوْنَ(الحجر:9)

مفسّرین نے یہاں چار مرتبہ ''ہم نے، ہم نے'' کا مطلب لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو بار بار ''ہم نے، ہم نے'' کا تذکرہ کیا، اس میں کلام کے اندر ایک عظمت پیدا کرنا مقصود تھا۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ جان لو کہ یہ کلام کرنے والی ذات کتنی بلند ذات ہے۔ چنانچہ قدرے وضاحت کے ساتھ اردو میں اس کا ترجمہ یہ بنے گا:

''ہم نے، ہاں! ہم نے، ہاں ہاں! ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور اس کی حفاظت کے ذمہ دار بھی ہم ہیں۔''

اب دیکھیے کہ بات کے اندر کتنی قوت آگئی۔ اس آیت سے اللہ رب العزت کی کتنی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اصل میں یہ بتانا مقصود ہے کہ لوگو!

ہماری عظمت

قوت

طاقت

بساطت

شان وشوکت

کو دیکھو کہ ہم کتنی عظیم ذات ہیں۔ہم اس ذات کے بندے ہیں۔وہ دینے والا ہے ہم لینے والے ہیں، وہ ہمارا پروردگار ہے اللہ اکبر کبیرا، جب انسان اللہ رب العزت کی عظمت کا تصور کرتا ہے تو دل میں عجیب ٹھنڈ پیدا ہو جاتی ہے۔

انبیائے کرام کی عاجزی:

سب کے سب انبیائے کرام اس کے عاجز بندے تھے۔سب نے اس کے سامنے

عاجزی کی

فریاد کی

گڑگڑائے

سجدہ ریز رہے

رو رو کر اس کو مناتے رہے

اسی کے سامنے دامن پھیلاتے ہیں۔

آیات قرآنی میں عاجزی کا درس:

سید الاولین والآخرین سیدنا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کی جو آیتیں ہیں یا احادیث ہیں، ان پر ذرا غور کریں تو ان سے اللہ رب العزت کی عظمت کا عجیب سبق ملتا ہے۔چند مثالیں آپ کے

سامنے پیش کر دیتے ہیں:

نبی علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِکُمْ ط اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (الاحقاف:9)

''میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، تمہارے ساتھ کیا ہوگا، میں تو وہی کرتا ہوں جو میرے پرودگار کی طرف سے مجھے وحی آتی ہے۔''

اس آیت پر ذرا غور کیجیے کہ کتنی عاجزی ظاہر ہوتی ہے اور اللہ رب العزت کی کتنی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ط مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ (القصص:68)

ایک جگہ پر فرمایا:

مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآیِٔ نَفْسِیْ ج اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (یونس:15)

پروردگار عالم اپنے محبوب ﷺ سے ایک جگہ عجیب خطاب فرماتے ہیں۔ فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ (هود:112)

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہؒ اس آیت کا مفہوم یوں بیان فرمایا کرتے تھے: فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (هود:112) ''اے محبوب! جو آپ کو حکم دیا گیا آپ اس پر تکلے کی طرح سیدھے رہیے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو فرماتے ہیں:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ (بنیٓ اسرآئیل:86) ''اگر ہم چاہیں ہم سب کچھ جو آپ پر نازل کیا اسے واپس لے جائیں۔''

ثقیلہ کا صیغہ، ایسی بات کی کہ اس سے زیادہ تاکید کی اور کوئی بات کی ہی نہیں جا سکتی۔ ذرا قرآن پاک کا

اسلوب دیکھیے ! کیا ہی جلالتِ شان ہے اس کلام میں !

حضرت اقدس تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب محبوب ﷺ کو یہ کلام فرمایا جا رہا ہے تو اس آیت کو پڑھنے کے بعد کوئی آدمی بھی اپنے علم پر ناز نہیں کر سکتا۔ جب محبوب ﷺ کو یہ خطاب ہے تو ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں !؟

عمل کے بارے میں بھی ایک آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اے محبوب !

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا (بنیٓ اسرآئیل:75-74)

اللہ اکبر!

اب اس آیت کا ترجمہ تو آپ گھروں میں جا کر دیکھیے۔ اس عاجز کے اندر تو ہمت نہیں کہ اس آیت کا ترجمہ کر کے سنا دے۔

جب اللہ تعالیٰ محبوب ﷺ کو فرماتے ہیں ''اگر ہم آپ کو ثابت قدمی نہ دیتے'' تو پھر اگر ہم میں سے کوئی عمل کر رہا ہے تو یہ ہمارا کمال نہیں، یہ پروردگار کا کمال ہے۔ یہ اس مالک کا کمال ہے۔ یہ اس مالک کی توفیق ہے کہ اس نے توفیق دی ہوئی ہے۔ ورنہ ہم کس کھاتے میں ہیں۔

مسنون دعاؤں میں عاجزی کا درس:

نبی علیہ السّلام نے جو دعائیں مانگیں ان دعاؤں کو اگر زبانی یاد کیا جائے اور معانی کے استحضار کے ساتھ ان کو مانگا جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں۔ آج کل لوگ دعائیں مانگتے نہیں بلکہ دعائیں پڑھتے ہیں۔ یعنی ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ دعائیں پڑھنے کا رواج ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا (الاعراف:23) رَبَّنَا

لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا (ال عمرن:8) فقط پڑھ رہے ہوتے ہیں، مانگ نہیں رہے ہوتے۔

دعا پڑھنے میں اور دعا مانگنے میں فرق ہوتا ہے۔ایک ہوتا ہے زبان کا مانگنا اور ایک ہوتا ہے دل کا مانگنا۔لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہماری سنتا نہیں،اور ہم کہتے ہیں کہ خدا تو سب کی سنتا ہے لوگوں کے دل گونگے ہوتے ہیں جو بولتے ہی نہیں ہیں۔وہ زبان سے نکلی ہوئی نہیں قبول کرتا بلکہ دل سے نکلی ہوئی قبول کرتا ہے۔بات ہر ایک کی سنتا ہے لیکن قبول اس کی کرتا ہے جس کی دل سے نکل رہی ہوتی ہے۔

چنانچہ نبی علیہ السّلام نے عجز بھری بہت سی دعائیں مانگیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ کے محبوب ﷺ نے ایک عجیب دعا مانگی۔فرمایا:

اَنَا بَاءِثُ الْفَقِيْرِ اَلْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْبُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَ اَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ

''میں ہوں مصیبت زدہ محتاج،فریاد کرنے والا،پناہ ڈھونڈنے والا،ترساں ولرزاں،اقرار کرنے والا،اپنے قصور کا اعتراف کرنے والا،اے اللہ! میں مسکینوں کی طرح آپ سے سوال کرتا ہوں۔میں کسی ذلیل گناہ گار کی طرح آپ کے در پر گڑگڑاتا ہوں۔''

اللہ رب العزت کے محبوب،اتنی شان ان کی،سید الاولین والآخرین ہیں،مگر دعا میں دیکھیے کتنی عاجزی فرما رہے ہیں۔ذرا اپنے دل سے پوچھیے کہ یہ الفاظ اپنی زبان سے ہم نے کبھی اپنے لیے استعمال کیے ہیں۔ہم اپنے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے۔پھر دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟

پروردگار کے سامنے تو جھکنا ہے،عاجزی کا اظہار کرنا ہے۔اس جھکنے میں ہی ہماری بلندی ہے۔اس جھکنے میں ہی ہمارا بڑا پن ہے۔جو بڑا بننا چاہے وہ جھک جائے،اللہ اس کو بڑا بنا دیں گے۔دیکھیں! کتنا

آسان نسخہ ہے۔

بدر کے دن نبی علیہ السّلام سجدے میں اللہ رب العزت کے حضور دعائیں مانگ رہے ہیں۔اور دعا بھی کیا مانگی؟ اتنا روئے اتنا روئے اور دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِكَ ھٰذِہِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ اَبَدًا

''اے اللہ! اگر آپ اس چھوٹی سی جماعت کو (جو گروہ ہے مسلمانوں کا) آج کے دن ہلاک کریں گے تو اس کے بعد دنیا میں کوئی آپ کی عبادت کرنے والا نہیں بچے گا۔''

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ چند لوگ جو تین سو تیرہ تھے وہ ختم ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کو پیدا کر دیتے۔تو یہ کیوں کہا کہ اس کے بعد قیامت تک تیری کوئی عبادت ہی نہیں کرے گا؟

محدثین نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جب اس جماعت کا نام لیا تو نبی علیہ السّلام نے اپنے آپ کو بھی اس میں شامل فرما لیا تھا، اور واقعی اگر آپ ﷺ اس میں شامل ہوتے اور وہ جماعت ختم ہو جاتی تو پھر قیامت تک اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔

تو محبوب ﷺ کی عاجزی دیکھیے کہ دعا مانگتے ہوئے اپنے آپ کو بھی اپنے خدام کے ساتھ شامل فرماتے تھے اللہ اکبر کبیرا

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو وہ کہنے لگے:

''اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ سجدے سے سر اٹھائیے، یقیناً اللہ رب العزت آپ کی مدد فرمائیں گے۔''

یعنی اتنی عاجزی کی کہ دیکھنے والوں کا دل نرم ہو گیا۔ہمارے حضرت مرشد عالمؒ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے ''تم اللہ کی اتنی عبادت کرو، اتنی عبادت کرو، کہ خالق اور مخلوق دونوں کو تم پر ترس آنے لگ جائے۔''

نبی علیہ السّلام نے ایک مرتبہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَائُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ

''اے اللہ میں تیرا ہی بندہ ہوں اور تیرے ہی بندے اور تیری ہی بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا ہر حکم میرے حق میں نافذ ہے، تیرا ہر فیصلہ میرے حق میں عین انصاف ہے۔ میں تجھ پر اس نام کے وسیلے سے جو تیرا ہے، تو نے خود اس کو اپنا نام رکھا یا اس کو اپنی کتاب (قرآن) میں نازل فرمایا، اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا، یا تو نے اس کو علمِ غیب کے خزانے میں اپنے ہی پاس محفوظ رکھا ہے۔ (اے اللہ! میں تیرے ہر ہر نام کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں).....اللہ اکبر کبیرا۔

ہم بھی اپنی دعاؤں میں اللہ رب العزت کے سامنے گڑگڑائیں۔ جس طرح ہمیں مانگنا چاہیے اسی طرح ہم عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا مانگیں۔

جب نبی علیہ السّلام طائف کے سفر سے واپس آرہے تھے تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس فرشتے آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! آپ اجازت دے دیجیے، ہم بستی والوں کو ختم کر دیں۔ لیکن اللہ کے محبوب ﷺ نے اجازت نہ دی۔ البتہ ایک عجیب دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْكُوْ ضِعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَ هَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعِفِیْنَ وَ اَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یتجهمنی

اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِی اِنْ لَمْ یَکُنْ بِکَ عَلٰی غَضَبٍ فَلَی ابالی

''اے اللہ! میں تجھ سے ہی شکایت کرتا ہوں اپنی طاقت کی کمی کا، اور اپنے حیلے کی قلت کا، اور لوگوں کے سامنے اپنی کمزوری کا، اے سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والے! آپ کمزوروں کے پرودگار ہیں، اور آپ میرے بھی رب ہیں، آپ مجھے کس کے حوالے کرتے ہیں، کسی غیر کے سامنے جو مجھ سے ترش رو ہوتا ہے، یا میرے دشمن کے پاس جس کو آپ نے میرے کام کا والی بنا دیا، اے اللہ! اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہی ہے۔''.....اللہ اکبر!

کیسی عجیب بات کہی کہ اے اللہ! اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو مجھے کسی چیز کی پروانہیں ہے۔

کیا غم ہے جو ہے ساری خدائی بھی مخالف کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے
اللہ کے رستے کی جو موت آئے مسیحا! اکسیر یہی ایک دوا میرے لیے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

دعا مانگتے ہوئے اللہ کے محبوب ﷺ نے آگے فرمایا:

وَ لٰکِنْ مَافِیَتُکَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِی اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ

''اور لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔(اب ذرا الفاظ پر غور کیجیے، دعا مانگ رہے ہیں مگر اللہ رب العزت کے سامنے کیا بات فرماتے ہیں) میں تیری پناہ مانگتا ہوں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے کہ سب اندھیریاں روشن ہوگئیں۔''

(کیسی عجیب بات کہی ہے! نبی علیہ السّلام کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت کیسے ٹھاٹھیں مار رہی ہوگی اور اللہ رب العزت کے حسن و جمال کا نبی علیہ السّلام کے پاس کیا تصور ہوگا!!)

آگے فرمایا:

وصلح علیه امر الدنیا والاخرة من ان تنزل بی غضبك او یحل علی سخطك لك العتبی حتی ترضی

''اور جس سے دنیا اور آخرت کے سب کام سنور گئے۔اے اللہ! تجھے اس وقت تک منانا ضروری ہے جب تک کہ تو راضی نہ ہو جائے۔''

تو اللہ تعالیٰ سے ہی اپنی کمزوری کی شکایت کی۔حضرت شاہ صاحب فرما رہے تھے کہ آج ہم بندوں سے شکایت کرتے ہیں اور اللہ والے اللہ سے باتیں کرتے ہیں۔

کہیں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَاصِیْنَا وَجَوَارِحَنَا بِیَدِكَ لَمْ تُمَلِّكْنَا مِنْھَا شَیْئًا

کیسے عاجزی کے الفاظ ہیں.....واقعی ہم عاجز ہیں۔اختیار پروردگار کا ہے۔ہم سر جھکائیں اور پروردگار کی عبادت کریں اور اس عبادت کو بھی اللہ کا کمال سمجھیں کہ اس نے توفیق دی۔اپنی طرف منسوب نہ کریں۔ہم جو نمازیں پڑھتے پھرتے ہیں نا، یہ ہمارا کمال نہیں ہے، یہ کمال والے کا کمال ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاصہ:

آج بندہ جس سے ناراض ہوتا ہے اس سے وہ کہتا ہے کہ تو مجھے اس محلے میں نظر نہ آنا۔اس گلی سے نہ گزرنا۔میں تجھے اپنے گھر کے قریب نہ دیکھوں۔بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی جب کسی بندے سے ناراض ہوتے ہیں تو اس بندے سے اپنے گھر میں آنے کی توفیق چھین لیا کرتے ہیں۔وہ مسجد کی طرف نہیں آتا۔اور جو مسجد میں آجاتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ رب العزت ان سے خوش

ہیں۔اس لیے کہ ناپسند بدمعاش کو کوئی گھر بلاتا ہے؟ کوئی نہیں بلاتا۔گھر میں اسی کو لے جاتے ہیں جس کے ساتھ محبّت کا تعلّق ہوتا ہے۔اللہ رب العزت کو بھی جن سے محبّت ہوتی ہے، انہی کو وہ اپنے گھر میں آنے کی توفیق دیتے ہیں۔اسی لیے جب حضرت حاجی صاحبؒ سے کسی نے پوچھا: حضرت! ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ ہماری نماز قبول ہوئی یا نہیں؟ تو حضرت نے عجیب جواب دیا۔فرمایا: تیرا ایک نماز کے پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے لیے مسجد میں آجانا تیری پہلی نماز کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔وہ پہلی نماز قبول ہوئی ہے تبھی تو دوبارہ اس کے دربار میں پہنچ گئے ہو۔قبول نہ ہوتی تو پھر نکال دیے جاتے۔

حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

فَوَ اللّٰهِ لَوْلَا لِلّٰهِ مَا اهْتَدَيْنَا وَ لَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

''اللہ کی قسم! اگر اللہ نہ ہوتے تو ہم ہدایت پاسکتے، نہ صدقہ دینے والے ہوتے اور نہ ہی ہم نماز پڑھ پاتے۔''

یعنی ہم جو یہ سب کام کر رہے ہیں یہ کس وجہ سے کر رہے ہیں؟ اللہ کی عنایتِ خاصہ کی وجہ سے کر رہے ہیں۔

نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب حضرت ماریہ قبطیہؓ کی گود ہری ہوئی اور نبی علیہ السّلام کے فرزند ارجمند سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو خود نبی علیہ السّلام نے ان کے کان میں اذان کہی اور دوسرے کان میں اقامت کہی۔

اذان واقامت میں عظمتِ الٰہی کا پیغام:

اذان واقامت کے الفاظ کہاں سے شروع ہوتے ہیں؟ اللہ اکبر سے۔تو بندے کے دونوں کانوں میں شریعت نے جو پیغام پہنچایا، وہ کون سا تھا؟ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا پیغام پہنچایا۔تو اس دنیا میں بچے کے کان میں جو سب سے پہلا پیغام پہنچایا جاتا ہے وہ اللہ رب العزت کی عظمت کا ہے۔عجیب بات ہے کہ آج ہم اس بات کو بھولے پھرتے ہیں۔

اس پیغام میں ایک دو بار نہیں بلکہ چار مرتبہ اللہ اکبر کہا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر.....اللہ اکبر، اللہ اکبر

چار مرتبہ کیوں کہا؟

علما نے اس کا جواب لکھا۔وہ فرماتے ہیں کہ یہ کائنات چار عناصر سے مل کر بنی ہے۔آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔ان چاروں عناصر کی اپنی اپنی طاقت اور قوت ہے۔

ہوا کے اندر ایک طاقت ہے۔جب یہ چلتی ہے تو شہروں کا صفایا کر دیا کرتی ہے۔قومِ عاد جیسی قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا کے رکھ دیتی ہے۔

ایک ملک کے اندر سائیکلون آیا۔ جسے ہوا کا بگولا بھی کہتے ہیں۔پنجابی میں اس کو ''ولو ہنا'' کہتے ہیں۔جب وہ سائیکلون آیا تو اس نے ایک کار کو ایک جگہ سے اٹھایا اور اس کو اس نے تین سو میل دور جا کر پھینک دیا۔اصل میں ہوا کا گھیر تین سو میل تھا۔یعنی تین سو میل کے دائرے کی شکل میں ہوا گھوم رہی تھی۔

پانی کے اندر ایک طاقت ہے۔انسان جن جہازوں کو اس انداز سے بناتا ہے کہ وہ کبھی نہیں ڈوبیں گے، جب طوفان آتا ہے تو وہ TITANIC ٹکڑے ہو کر سمندر کے نیچے اتر جاتا ہے۔

آگ کے اندر ایک طاقت ہے۔بعض اوقات جب آگ چلتی ہے تو لوگوں سے بجھتی ہی نہیں۔ایک مرتبہ ہم نے ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے سمندر میں آگ دیکھی.....سمندر میں آگ!!! کتنی عجیب

بات ہے۔ نیچے پانی کا سمندر، اوپر آگ لگی ہوئی ہے اور بندوں سے بجھتی ہی نہیں۔ اللہ! تیری عظمت کی یہ کیا ہی عجیب نشانی ہے!.....ہم نے عملے سے پوچھا: اس آگ کی وجہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: سمندر کی اس جگہ پر تیل کا چشمہ نکل رہا ہے۔ اس چشمے کے اوپر ایک گیس ہے وہ تیزی سے نکل رہی ہے، کبھی کسی وجہ سے (مثلاً بارش ہوئی یا بجلی کڑکی تو) اس کو آگ لگ گئی، اب نیچے سے اس کو فیول مل رہا ہے اور اللہ نے یہ ٹارچ جلادی ہے، اس کو ہم جتنا بجھانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ آگ بجھنے کا نام نہیں لیتی۔

مٹی کی یعنی زمین کی اپنی طاقت ہے۔ زلزلہ آتا ہے تو لوگوں کی عمارتیں زمین کے اوپر سجدہ کرنے لگ جاتی ہیں۔

ان چار طاقت ور عناصر سے مل کر یہ کائنات بنی ہے۔ اذان اور اقامت میں یہ پیغام دیا جارہا ہوتا ہے کہ اے بندے! تمہیں اس ذات کی طرف بلایا جارہا ہے کہ جس کی عظمت اور طاقت

ہوا کی طاقت سے بھی زیادہ

پانی کی طاقت سے بھی زیادہ

آگ کی طاقت سے بھی زیادہ

مٹی کی طاقت سے بھی زیادہ ہے۔

ان تمام چیزوں کی طاقت سے بڑی طاقت والی جو ذات ہے، اے بندے! تجھے اس ذات کے دربار کی طرف بلایا جارہا ہے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر.....اللہ اکبر، اللہ اکبر

بعض علما نے کہا کہ چار مرتبہ اللہ اکبر اس لیے کہلوایا کہ اے بندے! تو چاروں طرف نگاہ اٹھائے تو تجھے اللہ ہی کی کبریائی نظر آئے کہ سب عظمتیں اس پروردگار کے لیے ہیں۔

تحنیک میں چند علمی نکات:

نبی علیہ السّلام نے اپنے فرزند ارجمند کا نام ''ابراہیم'' رکھا۔ پھر اذان دی اور اقامت کہنے کے بعد حضور ﷺ نے تحنیک کی۔ یعنی کھجور یا شہد منہ میں ڈال کر اور پھر اپنے دہن مبارک سے نکال کر بچے کو دی۔ یہ سنت ہے۔

یہاں پر چند علمی نکات ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ بچے کی پیدائش ماں کے رحم میں ہوتی ہے۔ لیکن بچے کو پیدائش کے بعد غذا ماں کے پستانوں سے ملتی ہے جو سینے پر ہوتے ہیں۔ تو پیدائش رحم میں اور غذا اوپر سینے پر۔ اس طرح بچے کو اللہ نے پیغام دیا: اے میرے بندے! رزق تمہیں کہاں سے ملے گا؟ اوپر سے ملے گا۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ تم ساری زندگی کے لیے یہ سبق پکا کر لینا کہ تجھے جب بھی رزق ملنا ہے اوپر سے ملنا ہے۔ بڑے ہو کر بھی اوپر ہی سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ (الذریت:22) ''تمہارا رزق آسمانوں میں ہے''

بچے کا منہ ایک ہے لیکن دودھ پینے کے لیے پستان دو ہیں۔ گویا کہ اللہ رب العزت نے رزق کا وافر انتظام کیا۔ مقصد کیا تھا؟ تسلّی دی کہ ہم نے تیرے لیے ڈبل انتظام کیا ہوا ہے۔ جب کسی کو کہہ دیتے ہیں کہ جی چار بندوں کے لیے ہم نے آٹھ بندوں کا کھانا پکایا ہوا ہے تو بڑی تسلّی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پینے کے لیے ایک منہ بنایا اور پینے کے لیے دو چشمے بنائے۔ کہ اے میرے بندے! رزق میں نے ذمے لیا ہے، میں وہ پروردگار ہوں جس نے تمہاری ضرورت سے بھی دوگنا رزق تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے، پھر تمہیں کس بات کی پریشانی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو منہ ایک دیا اور ہاتھ دو دیے۔ کہ دو ہاتھوں سے کمائے گا اور ایک منہ سے کھائے گا۔ تو پھر کمانا زیادہ یا کھانا زیادہ۔

منصوبہ بندی والوں کو پریشانی ہوتی ہے کہ کریں گے کیا۔ کہتے ہیں کہ جو آئے گا، وہ کھانے کے لیے منہ لے کر آئے گا۔ لیکن کام کرنے کے لیے ان کو دو ہاتھ نظر نہیں آتے۔

بچے کے کان میں پہلے اذان دی گئی، اقامت کہی گئی، اس کے بعد بچے کو تحنیک دی گئی۔ یعنی کچھ کھلایا گیا۔ اس میں بھی حکمت تھی کہ اے میرے بندے! حق کا پیغام پہلے سننا، رزق کے لیے ہاتھ پاؤں بعد میں مارنا۔ آج ہم کیا کہتے ہیں؟ کہ دکان سے جب فارغ ہوں گے تو بات سننے آجائیں گے۔ ہم دکان کو اولیت دیتے ہیں اور حق کے پیغام کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ خلافِ فطرت ہے۔ سب سے پہلے کان میں اللہ کی عظمت سنائی گئی اور اس پیغام کو پہنچانے کے بعد اس کو رزق پہنچایا گیا۔ مقصد کیا تھا؟ کہ اے میرے بندے! تو حق کا پیغام پہلے سننا اور رزق کے لیے ہاتھ پاؤں بعد میں مارنا۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا یہ پیغام ایک کان میں پہنچایا گیا یا دونوں میں؟ دونوں میں۔ مقصد کیا تھا؟ کہ میرا بندہ! ایسا نہ ہو کہ ایک کان سے ڈال کر دوسرے کان سے نکال ڈالے۔ آج کل ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ اور کئی تو سنتے ہی نہیں ہیں۔ ہمارے مرشدِ عالمؒ رحمۃ اللہ علیہ مجمع میں فرماتے تھے:

اوسن رہے ہو؟

پھر فرماتے:

تم نہیں سن رہے۔

واقعی بعض اوقات سن رہے ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں نہیں سن رہے ہوتے۔ اس لیے دونوں کانوں

سے سننے کی عادت ڈالو۔ مومن اور کافر میں یہی تو فرق ہوتا ہے کہ مومن سن کر مان لیتا ہے اور کافر دیکھ کر مانتا ہے۔ ان کو تو گویا عقل ہی نہیں ہوتی۔ کافر لوگ آخرت میں یہی تو کہیں گے:

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملك:10)

''اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے اور عقل ہوتی تو ہم جہنّم والوں میں سے نہ ہوتے۔''

بسم اللہ کی ''با'' اور اس کے معارف:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ''بسم اللہ'' سے شروع کیا۔ اور بسم اللہ کو کس حرف سے شروع کیا؟ ''با'' سے۔ الف سے کیوں نہیں شروع کیا؟.....علما نے اس میں بھی نکات لکھے ہیں کہ پروردگار نے ''با'' کو کیوں پسند کیا اور الف کو تنہا چھوڑ دیا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں:۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ الف کھڑا ہوتا ہے، متکبّر کی طرح۔ کھڑا ہونا تکبّر کی نشانی ہے۔ اور ''با'' لیٹی ہوئی ہوتی ہے، عاجز بندے کی طرح۔ اللہ رب العزت کو الف کا تکبّر نا پسند تھا اور ''با'' کی عاجزی پسند تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی ابتدا ''با'' کے حرف سے کی۔

ایک وجہ یہ ہے کہ الف حروفِ علت میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ میرے مومن بندے علیل بنیں۔ اس لیے قرآن مجید کی ابتدا کے لیے وہ حرف پسند کیا جو حروفِ علت میں سے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی ابتدا کرتے ہوئے ''با'' کو کس کے ساتھ جوڑا؟ ''با'' کو اسم کے ساتھ جوڑا۔ کس اسم کے ساتھ؟ اللہ کے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عام حالت میں ''با'' کو دیکھیں تو لیٹی ہوئی ہوتی ہے اور جب اللہ کے اسم کے ساتھ ملا کر لکھیں تو یہ ''با'' بھی کھڑی ہوتی ہے۔ بسم اللہ کے اندر ''با'' کھڑی حالت میں لکھی جاتی ہے۔ تو ''با'' تھی لیٹی ہوئی، پروردگار کو اس کی عاجزی پسند آ گئی اور اس

نے اپنے نام کے ساتھ جوڑ دیا۔مگر نام کے ساتھ جڑنے کی یہ برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لیٹی ہوئی ''با'' کو بھی کھڑا کر دیا۔اے پروردگار! جو تیرے نام کے ساتھ جڑ جاتا ہے تو اس کو بھی کھڑا کر دیتا ہے اور جو تیری ذات کے ساتھ جڑ جائے تو اس کو کیسی عزتیں عطا فرما دے گا!؟

اس ''با'' کے اندر ایک پیغام ہے.....دیکھیں! کئی حروف میں نقطے بھی ہوتے ہیں۔ایک نقطہ ''خا'' کے اوپر بھی ہے۔لیکن وہ اس کے سر پر ہے۔اور ایک نقطہ ''جیم'' میں بھی ہے۔وہ اس کے پیٹ میں ہے۔اور ایک نقطہ ہے ''با'' میں،مگر وہ اس کے نیچے ہے.....اس نقطے میں یہ پیغام ہے کہ اے میرے بندے! یہ نقطہ دنیا کا ہے۔''خا'' نے اس کو سر پر اٹھایا تو اسے ہم نے چھوڑ دیا۔''جیم'' نے اس کو پیٹ میں بسایا۔اسے بھی ہم نے چھوڑ دیا۔اور ''با'' نے اسے اپنے نیچے لگایا تو اسے ہم نے پسند کر لیا،تم بھی ساری زندگی دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھنا،تجھے بھی ہم ''با'' کی طرح عزتیں عطا فرمائیں گے۔

عزت وذلت ملنے کا معیار:

جھکنے والے بندے کو عزت ملتی ہے اور بڑا بننے والے کو ذلت ملتی ہے۔اس کی مثال یوں سمجھیے: ایک ہے انسان کا سر اور ایک ہیں انسان کے پاؤں ہیں۔ان میں سے اونچا کون ہے؟ سر ہے۔اور نیچا کون ہے؟ پاؤں۔جب انسان کو عزت ملتی ہے اور وہ معافی مانگتا ہے تو وہ سر پکڑتا ہے یا پاؤں پکڑتا ہے؟ پاؤں پکڑتا ہے۔اور جب ذلت ملتی ہے جوتے پاؤں پہ لگتے ہیں یا سر پہ؟ سر پہ لگتے ہیں۔اس میں یہ پیغام ہے کہ دیکھو! جنہوں نے اپنے آپ کو جھکایا تھا،جب عزت ملی تو ان کو ملی اور جو اونچا ہوا تھا،جب ذلت ملی تو اس کو ملی۔چنانچہ اونچا نہیں ہونا،بلکہ اپنے آپ کو جھکا کے رکھنا چاہیے،کیونکہ اللہ رب العزت کو عاجزی پسند ہے۔

مونچھوں اور پلکوں کے مابین ایک دلچسپ مناظرہ:

کچھ لوگوں نے اپنی مونچھیں بڑھائی ہوئی ہوتی ہیں۔ جو مونچھیں منہ کے اوپر ہوتی ہیں ان کو اچھی طرح سے کاٹنا چاہیے اور جو کناروں پر ہوتی ہیں ان کو بڑھا سکتے ہیں۔ یہ مونچھیں اٹھی ہوئی ہوتی ہیں اور پلکیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ مونچھوں میں اور پلکوں میں مناظرہ ہو گیا۔

مونچھیں کہنے لگیں: ہم اعلیٰ ہیں۔ گویا انہوں نے بڑائی کا دعویٰ کر دیا۔ چنانچہ جیسے وہ دعویٰ کرتی گئیں، پلکیں ان کا جواب دیتی گئیں۔ بالآخر مونچھوں نے کہا: دیکھو! انسان اپنی شان دکھانے کے لیے مجھے تاؤ دیتا ہے۔..... جب ایک دوسرے کے سامنے اپنی بڑائی ظاہر کرنا ہو تو یہ دنیا دار قسم کے لوگ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہیں..... گویا مونچھوں نے کہا: انسان کی شان ہم سے ہے۔

پلکوں نے جواب دیا: جناب! جب ادب اور تعظیم کا وقت آتا ہے تو وہاں پلکوں کا نام آتا ہے۔ ذرا بتائیں کہ جب ادب اور تعظیم کا وقت آتا ہے تو کیا کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی مونچھیں نیچی کر دیں؟ ہر کوئی پلکیں بچھانے کی بات کرتا ہے:

اے بادِ صبا! کچھ تو ہی بتا مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں

مونچھوں نے کہا: جناب! جوانی کی معرفت ہم سے ہے۔ جوانی کی پہچان ہم سے ہے۔

پلکوں نے کہا: جی! قینچی بھی تو تم پر ہی چلائی جاتی ہے۔ تمہیں ہی کاٹا جاتا ہے۔

مونچھوں نے کہا: دیکھو! لوگ ہمیں بنا سنوار کر رکھتے ہیں، یعنی وہ بل دے کر رکھتے ہیں۔

پلکوں نے کہا: جب انسان کی ناک بہتی ہے تو پھر تمہارے ہی اوپر گرا کرتی ہے۔

تو مونچھوں کو بڑا بننے کی یہ سزا ملی۔ دیکھو! کیسی سزا دی اللہ نے۔ ناک صاف کرنے لگو تو مونچھو والوں کی

مونچھوں پہ لگ جاتی ہے۔مومن کوتو صاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس لیے اس کوتو کوئی پروانہیں ہوتی۔لیکن جو بے چارے رکھتے ہیں ان کو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔

بکری کی ''میں میں'' کیسے نکلی؟

بکری ایک جانور ہے۔وہ جب آواز نکالتی ہے تو ''میں میں'' کہتی ہے۔اس ''میں'' میں وہ گویا بڑائی کا دعویٰ کر رہی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کو اس کی 'میں' نا پسند آئی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا! تیرا بندو بست کرتے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مومن کے لیے حلال کر دیا۔پھر ماشاءاللہ مومن نے

اس کے گلے پر چھری چلائی

پھر اس کی کھال اتاری

پھر اس کے تکے بوٹی کیے

پھر ان کو بھونا، بھون کے پکایا، پکا کے بتیس دانتوں نے چبایا اور

خوب اچھی طرح کھایا۔

اس کے بعد اس کی آنتیں بچ گئیں۔ان کو کسی بندے نے دھوپ کے اندر رکھ کر خشک کیا..... جب اس کی آنت خشک ہو جاتی ہے تو اس کو روئی دھننے کی مشین میں استعمال کیا جاتا ہے۔..... چنانچہ جب یہ خشک ہو کر روئی دھننے کی مشین میں لگتی ہے اور اس کو ہلایا جاتا ہے تو اس میں سے ''تو تو'' کی آواز نکلتی ہے۔

ایک بزرگ نے اس میں ایک نکتہ نکالا کہ بکری ''میں میں'' کرتی تھی، اس کی یہ ''میں'' اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی۔اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی سزا دی کہ ٹکڑے کروائے، آگ کے اوپر اس کو پکوایا، اس کو بتیس دانتوں میں چبوایا اور جو کچھ اس کا باقی بچا اس کو دھوپ میں رکھوایا۔گویا اتنا مجاہدہ کروایا کہ اس کے اندر سے بے اختیار ''تو تو'' کی آواز نکلنے لگ گئی۔اے بندے! تو خود ہی ''تو تو'' کہہ لے، ''میں میں'' کرے گا تو

تیرے ساتھ بھی یہی حشر ہوگا۔

جو ''میں میں'' کرتے ہیں وہی قربانی کے بکرے بنتے ہیں۔ان کو بھی اللہ تعالیٰ اچھی طرح جھنجوڑا کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس جینے سے تو مرجانا اچھا تھا۔اس لیے بہتر ہے کہ ہم بھی ''میں میں'' کی بجائے ''تو تو'' کریں اور کہہ دیں:

اللہ! تجھے ہی عظمت سجتی ہے۔

''مینا'' پرندے کی پسندیدگی کی وجہ:

ایک پرندہ ہے ''مینا''۔اس کو لوگ گھر میں رکھنا پسند کرتے ہیں اور صبح شام اس کی خدمت کرتے ہیں۔وہ کس لیے؟ کہ جب وہ بولتی ہے تو ''میں ناں، میں ناں'' کہتی ہے۔اس سے اس کا نام ہی ''مینا'' پڑ گیا۔گویا وہ اپنی ذات کی نفی کر رہی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کو اس کا نفی کرنا پسند آ گیا۔اب اس پر کسی شاعر نے شعر لکھا:

بکری کرے میں میں ،گلے چھرے پھراوے
مینا کرے میں ناں میں ناں،سب کے من کو بھاوے

کیا ہم ''میں میں'' والوں میں سے بنیں گے یا ''میں ناں میں ناں'' والوں میں سے؟ ''میں ناں میں ناں'' والوں میں سے بننا چاہیے۔اس لیے کہ بندے کو عاجزی سجتی ہے اور عظمت فقط اللہ رب العزت کو زیبا ہے۔ہم تو اس کے سامنے مسکین بندے ہیں۔ہم اپنے آپ کو جتنا جھکائیں اتنا اچھا ہے۔اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں۔

عاجزی سے استعداد پیدا ہوتی ہے:

یاد رکھیں !جب عاجزی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ استعداد بھی دے دیتے ہیں۔اس نکتے پر غور کرنا،سیدنا

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ میں عاجزی تھی، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو استعداد اتنی دے دی کہ کافروں کے سردار ابوجہل نے معراج کا واقعہ سنایا اور وہ اس پر ایمان لے آئے۔ اس کے برعکس ابوجہل میں تکبّر تھا۔ اس نے معراج کا واقعہ نبی علیہ السّلام کی مبارک زبان سے سنا، استعداد نہیں تھی، لہٰذا ایمان لانے کی توفیق ہی نہ ملی، یہ جاہلوں کے سردار سے سن کر بھی مان لیتے ہیں اور وہ نبیوں کے سردار کی زبان سے سن کر بھی قبول نہیں کر پاتا۔ اس لیے کہ جس انسان کے اندر تکبّر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی استعداد کو ختم کر دیتے ہیں۔

نمرود کا تکبّر کیسے ٹوٹا؟

نمرود نے بڑائی کا دعویٰ کیا تھا۔ دیکھا! پروردگار نے اسے کیسی سزا دی۔ ایک مچھر، وہ بھی لنگڑا..... ناک کے اندر چلا گیا۔ جب وہ دماغ کے اندر جا کر ڈنک لگاتا تھا تو اسے درد ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ نوکروں سے کہتا تھا کہ ذرا میرے سر کی خدمت کر دیجیے۔..... کیا مطلب؟..... کہ دو چار تھپّڑ لگا دیجیے۔ جب وہ تھپّڑ لگاتے تھے تو مچھر رک جاتا تھا، اور جب تھپّڑ لگنا بند ہو جاتے تو وہ کارروائی شروع کر دیتا..... وہ مچھر اس دور کا مجاہد تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی تو دین والوں سے دین کا کام لیتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی مجاہد کھڑا کر دیتے ہیں۔ جب تک تھپّڑ لگتے رہتے تو خاموش بیٹھا رہتا اور جب لگنے بند ہو جاتے تو کارروائی تیز کر دیتا۔

جب تھپّڑ مارنے والے تھک گئے تو وہ کہنے لگے: جناب! ہم سے تو اب تھپّڑ نہیں مارے جاتے۔ وہ سن کر بڑا پریشان ہوا۔ چنانچہ اس نے وزیر سے کہا کہ اب تو کوئی تھپّڑ مارنے والا ہی نہیں رہا۔ اس نے کہا: بادشاہ سلامت! میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ اس نے پوچھا: وہ کیا؟ وزیر کہنے لگا؟ جناب! آپ سے ملنے والے لوگ بہت کثرت کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ آپ کو سلام کرنے کی بجائے آپ کے سر پر تھپّڑ مارا کریں۔

اس نے قانون بنا دیا۔ چنانچہ نمرود کے دربار میں جو بھی آتا تھا وہ سلام کرنے کی بجائے اس کے سر پر تھپّڑ لگاتا تھا۔ دیکھا! اللہ تعالیٰ نے اس کی ''میں'' کیسے نکالی!

تصوف کا بنیادی مسئلہ:

تصوف کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اپنی بڑائی نکل جائے اور اللہ کی عظمت دل میں آجائے۔ جس نے اس کو سمجھ لیا اس نے سارا تصوف سمجھ لیا۔ پھر وہ

میں کی بات نہیں کرسکتا

کوئی اونچا بول نہیں بول سکتا

وہ اللہ کا عاجز اور مسکین بندہ بن کر رہے گا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اس پر ہے مجھ کو ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

کچھ ہونا میرا ذلت و خواری کا سبب ہے یہ ہے میرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

اس سبق کو اچھی طرح سیکھ لو کہ ہمارا اعزاز اسی میں ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ ورنہ آج تو حالت یہ ہے کہ لوگ خواب دیکھ کر اپنے معتقد بن جاتے ہیں۔ او جی! میں نے خواب دیکھا تو مجھے یوں نظر آیا.....اپنے عمل اور کرتوت سامنے نہیں ہوتے.....بس اپنے خوابوں کی وجہ سے اپنے معتقد بنے پھر رہے ہوتے ہیں۔

صحابہء کرامؓ کی عاجزی:

جھکنے کا یہی سبق نبی علیہ السّلام سے آگے امت کو ملا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اندر بھی کمال درجے کی عاجزی تھی۔ مثال کے طور پر:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اللہ سے دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا

''اے اللہ! مجھے اپنی نگاہوں میں چھوٹا بنا دے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے بڑا بنا دے۔''

اس لیے کہ اگر بندہ لوگوں کی نگاہوں میں ہی چھوٹا ہو جائے تو وہ تو دین کی بات ہی نہیں مانیں گے۔ وہ تو دعوت ہی قبول نہیں کریں گے، لوگ تو دعوت اس کی قبول کرتے ہیں جس کو بڑا سمجھتے ہیں، داعی کے لیے اس میں سبق ہے۔ اگر وہ اس کو بے وقعت سمجھنے لگیں تو اس کی بات کو کیسے قبول کریں گے۔ اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: جی آپ کون ہیں؟ فرمانے لگے:

''میں مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں۔''

یہ نہیں کہا کہ میں نبی علیہ السّلام کا داماد ہوں

یہ نہیں کہا کہ میں خلیفہ وقت ہوں

یہ نہیں کہا کہ میں فاتح خیبر ہوں

یہ نہیں کہا کہ میں حیدر کرار ہوں

بلکہ جب اپنا تعارف کروایا تو کس انداز سے کروایا؟ کہ میں مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں۔ اس کو عاجزی کہتے ہیں۔

اہلِ وصف حضرات کا مقامِ عجز:

یاد رکھیں! عاجزی یہ نہیں ہوتی کہ عمل تو متکبّر لوگوں والے کرے اور زبان سے اپنے آپ کو چھوٹا کہتا

رہے۔ایسا نہیں ہے۔ہاں! دل سے اپنے آپ کو کم تر سمجھے اور دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھے۔جب یوں عاجزی پیدا ہوگی تو اللہ رب العزت کی طرف سے بھی رحمت ہوگی ؎

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانپا آسماں ہو کر

جو زمین کی طرح عاجز بنتا ہے، پھر اللہ کی رحمتیں آسمان بن کر اس کو ڈھانپ لیا کرتی ہیں۔

کسی شاعر نے تواضع پر عجیب شعر کہا ہے۔فرماتے ہیں:

جو اہلِ وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

جب صراحی جھکتی ہے تو پھر پیمانہ بھر دیتی ہے۔

تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

یہ ہے تواضع!.....اور یہ ہے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہؒ کی عاجزی:

امامِ اعظمؒ کے اندر بڑی تواضع تھی۔ان کی والدہ ایک بزرگ حضرت ابوزرعہؒ سے مسئلے پوچھا کرتی تھیں کیونکہ وہ بڑی عمر کے تھے۔وہ کئی مرتبہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہؒ سے کہتیں کہ میں نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے مجھے ابوزرعہ کے پاس لے جاؤ۔چنانچہ امام صاحبؒ ان کو اونٹ پر سوار کراتے اور لے کر ان کے پاس جاتے۔

اب ان کی والدہ بڑھاپے کی وجہ سے ذرا اونچا سنتی تھیں۔اس لیے وہ خود حضرت کو بتاتے کہ میری والدہ یہ مسئلہ پوچھنا چاہتی ہیں۔وہ آگے سے کہتے کہ اس مسئلے کا جواب تو آپ ہی بتا دیجیے۔اس طرح امام صاحب ان کے مسئلے کا جواب بتا دیتے اور وہ اونچی آواز سے ان کی والدہ کو مسئلہ سنا دیتے۔امام صاحب پوری زندگی اپنی والدہ کو لے جاتے رہے اور ان کو یہ ظاہر نہ کیا کہ امی! آپ کو جو مسئلے کا جواب دینے والے ہیں وہ مجھ سے جواب پوچھ کر آپ کو بتایا کرتے ہیں۔وہ یہی سمجھتے تھے کہ میری والدہ کی تسلّی ان سے مسئلہ پوچھنے سے ہوتی ہے لہٰذا جب انہی کی زبان سے سن لیں گی تو میری والدہ کو سکون ملے گا، تسلّی ملے گی۔لہٰذا انہوں نے ساری زندگی اس بات کو چھپائے رکھا۔ان کی اس تواضع کو اللہ تعالیٰ نے اتنا پسند کیا کہ ان کو ''امام اعظم'' کے نام سے دنیا میں شہرت عطا فرما دی۔

ترکِ عبودیت اور طرزِ ربوبیت:

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ رب العزت سے ایک بڑی عجیب بات کی۔

قَالَ مُوْسٰی اِلٰهِی اَتَرْزُقُ فِرْعَوْنَ وَهُوَ يَدَّعِی الرَّبُوْبِيَّةَ

''حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے کہا: اے اللہ! کیا آپ فرعونوں کو رزق دیتے ہیں، حالانکہ وہ تو ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے؟''

فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَيْهِ

اللہ نے ان پر وحی نازل کی:

يَا بْنَ عِمْرَانَ لَوْ تَرَكَ فِرْعَوْنُ الْعُبُوْدِيَّةَ مَا اَتْرُكُ الرَّبُوْبِيَّةَ

''اے عمران کے بیٹے! اگر فرعون نے عبودیت کو ترک کر دیا ہے تو میں نے ربوبیت کو تو ترک نہیں

کیا۔(میں پروردگار تو اس کو رزق دیتا رہوں گا)۔"

جو پروردگار ایسے دشمن کو بھی رزق دے دیتا ہے تو وہ پروردگار اپنے غلاموں کو رزق کیوں نہیں عطا فرمائے گا۔

عاجزی کے ساتھ دامن پھیلا دیں:

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی عظمتوں کو دل میں لے کر اس کے سامنے اپنے دامن کو پھیلائیں۔اور سچے دل کے ساتھ اللہ سے دعا مانگیں۔اس کے اچھے اچھے نام لے کر،اس کی عظمتیں بیان کر کے،اس کی تعریفیں کر کے،یقین کے ساتھ ہم جو بھی فریاد کریں گے،اللہ تعالیٰ ہماری فریاد کو یقیناً قبول کریں گے۔

یاد رکھنا! دنیا میں جس کے پاس مال ہوتا ہے وہ کسی سے یہ بات سننا پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کے سامنے کھڑا ہو کر یہ کہہ دے کہ میں اس کے دروازے پر بھیک مانگنے گیا تھا اور اس کے دروازے سے مجھے بھیک نہیں ملی تھی۔ارے! دنیا میں جس کے پاس مال پیسہ ہو،وہ بھی فقیر کی زبان سے یہ سننا پسند نہیں کرتا کہ میں نے اسکے در پر صدا لگائی تھی،مجھے دینے والا کوئی نہیں تھا،وہ بھی کہتا ہے کہ جو مانگتے ہو لے جاؤ۔ اگر دنیا کا امیر بات سننا پسند نہیں کرتا تو پروردگار عالم بھی قیامت کے دن کسی بندے سے یہ سننا پسند نہیں کریں گے کہ اے اللہ! میں دنیا میں تیرے در پر سوال کرتا رہا مگر تو نے میری دعا قبول نہیں کی۔اس لیے اللہ رب العزت بندے کی ہر دعا کو قبول کرتے ہیں۔

یا تو دنیا میں پوری کر دیتے ہیں

یا اس کے بدلے کوئی مصیبت ہٹا دیتے ہیں

یا پھر اس کے بدلے قیامت کے دن اجر عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھی یہ بات سننا پسند نہیں فرمائیں گے کہ اللہ! تیرے در پر سوال کیا تھا اور میرا

دامن خالی رہا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اتنا اجر عطا فرمائیں گے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ بندہ جب اس اجر وثواب کو دیکھے گا تو دعا کرے گا: اے اللہ! کاش! دنیا میں میری کوئی بھی دعا قبول نہ ہوتی اور سب دعائیں ذخیرہ بن جاتیں اور آج قیامت کے دن مجھے اتنا اجر اور بدلہ مل جاتا۔

جب پروردگار اتنا کریم ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو اس کے سامنے جھکا دیں۔ جب کوئی مصیبت ہو، پریشانی ہو یا تفکّرات ہوں تو ہم رات کو دو رکعت نفل پڑھیں اور اپنے رب کے سامنے:

ہاتھ پھیلا کر دعائیں کریں

دامن پھیلا کر دعائیں کریں

سجدے میں جا کر دعائیں کریں

ہم جتنی عاجزی اختیار کریں گے اور اللہ رب العزت کی عظمت بیان کریں گے تو پروردگار ہماری دعاؤں کو قبول کرلیں گے۔ پروردگار ہمیں کامیاب و کامران زندگی عطا فرما دے اور ہمارے دل میں اپنی عظمت نقش فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ